مظہر جاوید شوقی

ایشیا' امریکی عفریت کے پنجہء استبداد میں

عالمی قوت کی حیثیت سے سوویت یونین کے منتشر ہونے کے بعد امریکہ نے جس عالمی نظام کا خاکہ تیار کیا ہے اس کے چار اہم ستون ہیں ان چاروں کا اصل مقصد یہ ہے کہ اکیسویں صدی میں جب تک ممکن ہو امریکہ کو واحد سپر پاور کی حیثیت حاصل رہے اور کوئی متبادل قوت وجود میں نہ آنے پائے۔ دنیا کی تمام تجارتی منڈیوں پر اس کی رجعت پسند پالیسیوں کا نیٹ ورک قائم رہے۔ اس سلسلے میں جن مفکرین نے اس حکمتِ عملی کو فکری بنیادیں فراہم کی ہیں ان میں فرانس فاکویاما کا اختتام (The end of history) فلسفہ سیموسل ہنگٹن کا تہذیبوں کا تصادم (civilization Clashes) کا نظریہ اور برزنسکی کی شطرنج کا عظیم بساط (the grand chess board) خصوصیت کی حامل ہے اس فریم ورک میں بیسیوں تحقیقی مقالات اور تھنک ٹینک کی رپورٹیں اور سیاستدانوں کی عملی کاروائیاں ہیں جن کے مطالعے اور تجزیئے سے مستقبل نقشے کے دو و بست ہیں۔ ایک عالمگیر جمہوری نظام کے ذریعے عالمی معیشت پر مغربی اقوام اور خصوصیت سے امریکہ کے تسلط کو دائمی شکل دی جائے اس طرح دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کو مستحکم کرلیا جائے۔ جو سامراجی دور کی پیداوار ہیں اور جس کے نتیجے میں مغربی اقوام (یورپ اور امریکہ) جو 1800 میں عالمی پیداوار کا صرف 27 فیصد پیدا کر رہی تھی۔ 1918ء میں ان کا یہ حصہ بڑھ کر 87 فیصد ہوگیا اور جبکہ آبادی دنیا کی کل آبادی کا صرف 18 فیصد ہے اس نظام کو مستقل صورت اس وقت دی جاسکتی ہے جب دنیا کے دوسرے ممالک اپنی معیشت کو خود انحصاری کی بنیاد پر ترقی نہ دے سکیں بلکہ اس نظام کا حصہ بن کا خام مال فراہم کرنے اور مصنوعات درآمد کرنے کا کام انجام دیں۔ اس طرح ترقی یافتہ ممالک کو نہ صرف مسلسل بالادستی حاصل رہے بلکہ باقی دنیا اس کی محتاج رہے۔

جمہوریت کے علمبرداروں کی جمہوریت کی تعبیر بڑی نرالی ہے۔ جمہوریت کے معنی تمام انسانوں کی مساوات نہیں اور نہ لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے عقائد اقتدار اور ترجیحات کی روشنی میں اپنا نظام زندگی طے کریں۔ جمہوریت کی تعبیر یہ ہے کہ مغربی جمہوریت کو اسی طرح پروان چڑھایا جائے کہ دنیا کے یہ ممالک مغرب کے رنگ میں رنگے جائیں اور ان پر ایسی قیادتیں مسلط رہیں جو مغربی تہذیب کی دلدادہ اور مغربی مفادات کی محافظ ہوں جبکہ یقیناً اقوام عالم اس اسٹریٹیجی پر عمل پیرا ہے۔ بالخصوص امت مسلمہ کے اثاثوں کو پست کرنے کی خاطر مغربی طرز تہذیب میں ڈھالا جارہا ہے۔ رجعت پسند قوتیں تمام محاذوں پر برسرپیکار ہیں نیٹو کو وسعت دے کر ان اقوام کو بھی اس چنگل میں پھانسا جارہا ہے۔ جو الگ تہذیبی وجود رکھتی ہیں امریکہ اور یورپی دانشوروں' سیاستدانوں اور ذرائع

ابلاغ نے سرد جنگ اور کمیونزم کے خاتمے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو اپنا ہدف قرار دے کر ایسی ایسی مخالفانہ پروپیگنڈہ مہم شروع کررکھی ہے جس کا واضح مقصد انہیں بدنام کرکے خاتمے کی راہ ہموار کرنا ہے اور اکانومسٹ میرے کالم میں ایک پیرا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے وگرنہ کسے معلوم نہیں کہ افغانستان پر حملوں کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے سب سے پہلے صدر جارج ڈبلیو بش نے کروسیڈ کی اصطلاح استعمال کی جبکہ اٹلی کے وزیراعظم نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف زبان کھولی اسلام اور مسلمانوں کو انتہا پسند بنیاد پرست، دہشت گرد اور جارحیت کے مخالف ثابت کرنے کے لئے گھٹیا پروپیگنڈہ مہم شروع کی گئی اور امریکہ نے اس مہم کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی۔ سی این این اور دوسرے ٹی وی چینلز جب مساجد سے بلند ہونے والی اذانوں، برقع پوش خواتین اور جو بندگان خدا کے ساتھ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جلتے ہوئے مینار اور کینیا کے مختلف حصوں میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات دکھاتے ہیں تو اسے مذہب کے بارے میں حساس مسلمان یہ سمجھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ ہمارے مذہبی عقائد، عبادات اور شعار اسلام کے علاوہ فطری روایات کا رشتہ دہشت گردی سے جوڑا جارہا ہے۔

سابق امریکی صدر نکسن اور نائب صدر الگور نے واضح الفاظ میں کمیونزم کے بعد اسلام کو جدید تہذیب اور امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا ہدف قرار دیتے ہیں۔ سرد جنگ کے بعد نیٹو کا وجود بے معنی ہو جاتا ہے۔ اب جبکہ 11 ستمبر کے نیٹو کی وسعت اور اس کے کردار کا تعین صرف اور صرف ہدف اسلام ہے اگر دنیا کو صلیبی جنگوں سے بچانا مقصود ہے تو امریکہ اور مغرب کو اپنا طرز عمل بدلنا ہوگا۔ مسلمانوں کے خلاف تعصب اور نفرت کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ مسلمانوں کو عدل وانصاف کے مطابق حقوق دینے پڑیں گے اور اقوام متحدہ کو فعال بنانا پڑے گا جبکہ جمہوریت کا یہ علمبردار کسی بالا قانون اور کسی غیر جانبدار اتھارٹی کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ اقوام متحدہ کو ایک غیر موثر ادارہ بنا دیا گیا ہے۔ جنرل اسمبلی کے پاس کوئی اختیار نہیں اور سیکورٹی کونسل جسے کاروائی کا اختیار ہے اس میں پانچ طاقتوں کو ویٹو کا حق دیا گیا ہے۔ اگر اس حق میں توسیع کی بات ہورہی ہے تو وہ بھی کسی جمہوری اصول پر بلکہ اپنے طائفے کے کچھ دوسرے ارکان کو مسلط کرنے کے منصوبے بنائے جارہے ہیں۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک جو اہم مالیاتی ادارے ہیں ان میں بھی انہی مالدار ممالک کو اکثریت حاصل ہے اور ان کے اشارہ ابرو کے بغیر ذرا بھی جنبش نہیں کرسکتے۔

اسی نظام کا تیسرا ستون ٹیکنالوجی ہے۔ خصوصاً نیوکلیئر اور ہائی ٹیک کمپیوٹر ٹیکنالوجی پر مغربی اقوام کی اجارہ داری ہے۔ نئے دفاعی نظام کا بنیادی ستون امریکہ کی مستقل اور ناقابل چیلنج عسکری قوت کا استحکام اور اسے ختم کرنے کا حق ہے۔ یہ ایک غیر جانبدار طائفے کا تقاضا ہے کہ یہاں یہ کچھ ناقابل انکار حقیقتوں کی نشاندہی کی جائے۔ ایران کے اسلامی انقلاب برپا ہوا۔ یہ ایک مثالی انقلاب تھا۔ اس تیز دھارے پر جنوبی ایشیاء اور مشرقی وسطی کے ملکوں کی عوام کے اندر ایک بیدار فضا کو قائم کررہے تھے اور کچھ مثالیں مسلمانوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کردیتی تھیں کہ سارے غیر مسلم ان تہذیب، روایات، کلچر، مذہبی عقائد ونظریات کا قلع قمع کرنے کے لئے اکھٹے ہورہے ہیں۔ انہوں نے مسلم ریاستوں کے مغرب

پرست عیاش حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کے اثاثوں کو پامال کیا جارہا ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کو مغربی طرز عمل میں تبدیل کیا جارہا ہے۔

نتیجتاً ایران کے گردونواح کے خطوں میں باشعور ماحول فضاء نے اندرونی سطح پر جدوجہد کا آغاز کردیا تھا۔ نتیجتاً جنوبی بالخصوص مشرق وسطیٰ کے ملکوں کے اندر امریکیوں کے گہرے اور دوررس مفادات وابستہ تھے ظاہر ہے کہ خمینی کے انقلاب نے امریکہ کے لئے بے چینی کی فضاء قائم کردی تھی امریکہ کے لئے ضروری تھا کہ ان سوالات کا جواب تلاش کیا جائے اور پورے اسلامی خطے میں پائی جانے والی بے چینی کا سدباب کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ بطور خاص ایران کی طرف سے جو تازہ ہواؤں کے جھونکے محسوس کررہا تھا انہیں ہر طرح سے ان کا رخ موڑنے کے لئے کوئی موثر اسٹریٹجی کی ضرورت محسوس کررہا تھا ظاہر ہے کہ امریکی اسٹریٹجی میں سی آئی اے اور میڈیا کے ذرائع ابلاغ ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں یہی دونوں حربے امریکی عزائم کو تقویت پہنچانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ امریکی سی آئی اے نے ایک سازش کا جال بچھایا اس ضمن میں مشرق وسطیٰ کے حکمرانوں کو خواب خرگوش سے بیدار ہوکر ہوش میں آکر غیرت وحمیت کا مظاہرہ کرنے کی طرف مبذول کروایا کہ خمینی کا انقلاب عربوں کے اندر باہمی انتشار کی فضاء قائم کررہا ہے۔ اتحاد و یکجہتی کو شدید نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ مسلم نوجوانوں کو مسلح جدوجہد پر اکسادیا ہے۔ جبکہ خمینی کا فلسفہ انقلاب پوری وسعت کے ساتھ عربوں کی طرف پیش قدمی کرتا نظر آرہا ہے۔ جسے ہر ممکنہ طور پر روکا جائے۔ گویا امریکی سی آئی اے نے عراقی سربراہ مملکت کے گمان میں عربوں کی صف بندیوں کو منقطع کیا۔ نتیجتاً عراق ایران جنگ میں امریکہ کے سامنے دو اہداف تھے کہ ایک طرف خمینی کے انقلاب کو اپنی جغرافیائی سرحدوں میں محصور کردیا جائے۔ علاوہ ازیں شہنشاہ ایران رضا شاہ دور حکومت میں جو امریکی اسلحہ کا لاکھوں ٹن بارود کے ذخائر موجود تھے انہیں طویل عشرے کی جنگ میں ضائع کردیا جائے۔ یقیناً امریکیوں نے عراق ایران کی سات سالہ جنگ میں اپنے دونوں رجعت پسند عزائم حاصل کرلئے تھے۔ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ امریکہ نے اپنے دونوں اہداف حاصل کرلینے کے بعد بھی اس کے مفادات غیر محفوظ ہاتھوں ہی میں تھے۔ عراق نے سعودی عرب اور کویت کے اربوں ڈالر کی امداد سے اپنی فوجی قوت میں بے تحاشا اضافہ کرلیا تھا۔ مشرق وسطیٰ میں فوجی اعتبار و برتری اور نیوکلیئر ناقابل چیلنج عسکری قوت بنتا جارہا تھا جس کی زد میں براہ راست اسرائیلی ریاست تھی۔ از خود امریکہ کو بھی تشویش لاحق ہورہی تھی مشرقی وسطیٰ کے فریم ورک میں اسرائیلی امریکیوں کے لئے پولیس مین کا کردار ادا کررہا تھا۔ امریکہ کو اپنے مفادات کی ضمانت کے علاوہ اسرائیل کی سلامتی کو بھی ہر ممکن طور پر یقینی بنانا تھا۔ امریکہ نے اپنے اہداف کی تشہیر میں سی آئی اے کو فری ہینڈ دیا کہ خلیج میں نیو ورلڈ آرڈر کے تحت مہذب ترین فارمولا بنایا جائے۔ عربوں کے قدرتی وسائل سے نوع کمک سے لیس ہوکر عراق پر کاری ضرب لگائی جائے علاوہ ازیں عربوں کے تیل پر بھی قبضہ کرلیا جائے۔ بہرکیف امریکیوں نے یہ اسٹریٹجی بڑی مہارت اور چالاکی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچائی یہی وجوہات تھیں کہ 11 ستمبر کے واقعات بھی مسلم ورلڈ کا ردعمل اسلوبی اور

دہشت گردی کے خلاف تھا لیکن یہ سوال ضرور اٹھایا گیا کہ ان اسباب و وجوہات کا ازالہ کیا جائے جو کہ جوانوں کو مسلح جدوجہد پر اکسانا اور تجزیئے سے مستقل نقشے دروبست ہونے کے بعد میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور میری نظروں کے سامنے تاریخ فلم کی طرح چلنے لگتی ہے۔ وہ لمحہ بھی آج تک میرے حافظے کی گرفت میں ہے۔ میں اپنے قلم جنبش سے بے نظیر کرنا چاہتا ہوں ایک اخباری رپورٹ میں افغانستان کا ماضی سیاسی پس منظر بڑی دلچسپی کا حامل ہے۔ جس میں تاریخ اور حال کے کچھ ادوار کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ 1979ء میں افغانستان پر سوویت یونین کے حملے کے وقت بھی پاکستان پر فوجی حکمران تھے اس وقت جنرل ضیاء الحق صدر تھے تو آج جنرل پرویز مشرف ملک کے صدر ہیں ان دونوں کے حکومتی ادوار میں دو امریکی صدر نے مصنوعی طور پر حقیر ہی سمجھا اور جب نئی حقیقتوں نے مجبور کیا تو امریکہ نے پاکستان پالیسی کے سلسلے میں سیاسی قلابازی میں تاخیر نہ کی۔ جنوری 1978ء میں امریکی صدر جمی کارٹر ایران اور بھارت کے دورے پر آئے تو انہوں نے نہ صرف پاکستان میں رکنے سے انکار کر دیا بلکہ سرکاری طور پر بھارت کا درجہ بڑھا کر اسے قبل از وقت ہی جنوبی ایشیاء کی بلند مرتبہ طاقت قرار دے دیا گیا۔ اس سے قبل از وقت یہ جنوبی ایشیاء کی ایک محال سیاسی جمہوری دور حکومت میں بھٹو مرحوم نے بھی اپنی سیاسی مداومت اور اپنی اعلیٰ بصیرت کے کچھ کارڈ کے پتے امریکہ کو اپنی طرف متوجہ کروانے کی خاطر استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن امریکیوں کے قدامت پسند حلقوں نے کوئی خاطر خواہ دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ جن کی وجوہات صاف ظاہر تھی کہ 1971ء کی شکست کے بعد پاکستان اپنے علاقائی کردار کا دوبارہ جائزہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کی حیثیت اور جہت تبدیل ہو کر مشرق وسطیٰ کی طرف ہو گئی۔ فوجی تعاون کے علاوہ افرادی قوت کو برآمد کیا گیا چنانچہ 1974ء تک پاکستان کی حالت نمایاں طور پر بہتر ہو گئی اور پاکستان نے بین الاقوامی اسٹیج پر اپنی موجودگی کا احساس بھی دلایا اور ایک عظیم الشان اسلامی کانفرنس لاہور میں منعقد کی۔ اس نشاۃ ثانیہ میں ذوالفقار علی بھٹو کی بصیرت سفارتی حکمت اور سیاسی تدبر نے عمدہ کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں ذوالفقار علی بھٹو کی اعلیٰ سیاسی کاوشیں قابل ستائش تھیں کہ انہوں نے عربوں کو اپنے حقوق کی طرف مبذول کروانے کے لئے ان کے اندر بیداری کی شمع روشن کی۔ تیسری دنیا کو چین کی مفادیت اور شراکت کا ساتھ مشترکہ لائحہ عمل مرتب کرنے پر زور دیا۔ اسلامی بنک اور مشترکہ منڈی کے علاوہ دفاعی صف بندیاں ایجنڈے میں شامل تھی۔ بھٹو کا یہ کارنامہ تاریخ کی کتاب میں سنہرے حروف کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ انہوں نے پاکستان کو ناقابل چیلنج نیوکلیئر اسٹیٹ بنا دیا تھا اس ضمن میں اسلامی ملکوں کی رائے عامہ کو ہموار کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے تھے گویا امریکہ اس حقیقت کا ادارک کر لینے کے بعد بدنظمی کا شکار ہو گیا تھا کہ امریکہ کا مشرقی وسطیٰ میں سیاسی ٹریک ریکارڈ قابل رشک نہیں ہے یہی وہ کڑیاں تھیں جن سے ماضی خودغرضانہ استواری سوچ سے انجام کارنا کامی پر منتج ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کا گلے میں پھندہ ڈالنے والے ضیاء الحق کو منظر سے ہٹا دیا گیا کیونکہ اب انہیں ناواجب بوجھ سمجھا جانے لگا تھا جس کا ذکر چند سطریں آگے کرنا چاہوں گا۔

1979ء میں سوویت یونین کی فوج نے افغانستان پر حملہ کر دیا تھا۔ بین الاقوامی تجزیہ نگاروں کی رائے حقیقت کے برعکس تھی صدر کارٹر نے کابل کی روس نواز حکومت کا خلاف کرنے والوں کو خفیہ طور پر مدد دینے کے لئے جو پہلا ہدایت نامہ جاری کیا تھا اس پر 3 جولائی 1979ء کو دستخط کئے تھے انکی رائے اتفاق رکھتی ہے کہ یہ امور سوویت یونین کو افغانستان میں مداخلت کرنے کے لئے انگیخت دے گی۔ امریکہ کی جارحیت پسند تاریخ میں یہ شہادتیں رقم ہیں کہ اس نے ایک تیر کے ساتھ دو شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں عالمی طاقتوں کے عظیم کھیل میں سوویت یونین کے حملے سے پہلے ہی افغانستان ایک مہرہ بن چکا تھا۔ امریکہ کا مقصد اول یہ تھا افغانستان کے اندر سووست یونین کی مداخلت چین دشمنی بمقابل آجائے گی۔ دوسرا ہدف سوویت یونین کو افغانستان کے مسئلہ میں اتنا الجھایا جائے۔ کمیونزم کو ابھارنے والی معیشت زوال پذیر ہو جائے تا کہ سوویت یونین کی مشترکہ ریاستیں بکھر جائیں لہذا سوویت یونین کی فوجی طاقت توڑنے کا واحد راستہ یہی تھا کہ مسلم جہادی طاقتوں کا دست و بازو سے کمیونزم کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے۔ دوسرا افسانہ یہ ہے کہ امریکی سی آئی اے نے فوج کو شکست فاش دینے کیلئے مسلم ممالک کی جہادی تنظیموں کی روایت کو بڑھایا ایک اسلامی مجاہدین کی کھیپ کو بھرتی کیا۔ اسامہ بن لادن کو امریکی سی آئی اے نے خصوصی مشن سونپا۔ القاعدہ تنظیم کے مجاہدین کو انگلستان کے ناردرن پہاڑی علاقوں میں تربیت دی۔ ان کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کو ایک اعلیٰ جنگجو فائٹر میں تبدیل کر دیا ان مین بیشتر مجاہدین طالبان کے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔

1987ء میں جب سوویت یونین پسپا ہو رہا تھا افغانستان میں سیاسی طور پر متبادل انتظامات تشکیل دینے کا موقع ضائع کر دیا گیا تھا حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی پاکستان نے امریکی محرکات اور مفادات کو سمجھنے میں غلطی کی تھی جنرل ضیاً الحق افغانستان میں اسلامی حکومت کے خواہاں تھے وہ نظریاتی مفاہمت میں اس بات کے قائل تھے کہ افغانستان کے اندر اسلامی خود مختار نظام کا قیام ناگزیر ہے۔ ضیاء الحق کی اولین ترجیح تھی کہ وہ اسلامی فیڈریشن بنانا چاہتے تھے۔ جنرل ضیاء الحق اپنے ایجنڈے میں پاکستان کو ناقابل چیلنج عسکری قوت بنانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کی خاطر پچاس سالہ دفاعی اسٹریٹجی مرتب کی گئی تھی۔ جنرل اعظم کو سپیشل فریضہ سونپا گیا تھا کہ بین الاقوامی سطح پر جدید فوجی ساز و سامان کی خریداری کے لئے سروے کریں لیکن تیسری افسانوی بات یہ ہے کہ امریکہ ضیاء الحق کے نظریات سے ایک الجھن میں مبتلا تھا۔ افغانستان کے معاملات میں امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان مذاکرات میں جو مباحثے مختلف سمتوں میں چلتے رہے تھے ان میں اس ایشو پر خفیہ مفاہمت پائی گئی تھی کہ افغانستان میں کسی اسلامی حکومت کا وجود نہیں ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ جنرل ضیاء الحق کی بھرپور وکالت سننے کے بعد بھی عسکری قوت مداخلت برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ سوویت یونین اور مجاہدین کے درمیان گیارہ سال تک جو معرکہ لڑنے گیا تھا اس کے مضمرات پاکستان کی داخلی صورتحال پر مرتب ہوئے۔ یقیناً اس ادراک میں نئے خلفشار پیدا ہوتے ہیں جن کی گرہیں اتنی مضبوط ہیں جنہیں کھولنے کے لئے داخلی سطح پر یک جہتی جمہوری اعتدال پسندی کی اشد ضرورت ہے جبکہ ان خلفشار

سے ہٹ کر یہ قوت متحرک ہے کہ پاکستان کی عسکری قوتوں اور ان کی اتحادی جہاد تنظیموں اور افغان گروپوں نے سوویت یونین کو سجدہ ریز کر دیا تھا اس طرح اقوام پر عالم اسلام کے اندر جہاد کے تصور کو بڑی تقویت ملی تھی کہ یورپی اقوام یہ جانتی تھی کہ سرخ افواج جہاں کہیں بھی داخل ہوئی وہاں اس کی پسپائی ناممکن دکھائی دیتی تھی۔ آج یہی جہادی تصور امریکہ اور اس کے اتحادی مغربی اقوام کی نگاہوں میں دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے جبکہ اس کا منفی ردعمل پر مبنی حقیقت میں مسلمانوں کے اثاثے ختم کرنے کی خاطر بین الاقوامی سطح پر ریشہ دوانیاں کی جا رہی ہیں جبکہ بھارت کو ان مضمرات میں فرنٹ اسٹیٹ بنایا جا رہے ہے اس کی فوجی اور اقتصادی عسکری قوت کو مضبوط کیا جا رہا ہے جبکہ اس ادراک میں نا قابل انکار حقیقت میں امریکہ ہماری عسکری فوجی قوت بن چکا ہے۔ امریکہ جنوبی ایشیاء اور وسطی ایشیاء میں اپنے فوجی اور اقتصادی مفادات کو جمود رکھنا چاہتا ہے لہذا امریکی تھنک ٹینک اپنے مفادات کی ضمانت کا متقاضی ہے کہ جنوبی ایشیاء اور وسطی ایشیاء کے اندر اسلام مزاحمت تحریکوں کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ اس ضمن میں ایک سنگین بدنظمی اور تشویش میں مبتلا نظر آتا ہے کہ 1978ء میں افغانستان کے اندر سوویت یونین کی سرخ افواج نے قبضہ کیا تھا جس کی مذمت اور مزاحمت میں گلوبلائزیشن مہم جوئی چلائی گئی تھی از خود امریکہ نے ایک بڑا فعال کردار ادا کیا جبکہ اس دوران پاکستان کے فوجی حکمران کو فوجی عسکری فری ہینڈ دیا گیا تھا۔ جبکہ جنرل ضیاء الحق نے اسی عشرے میں پاک افواج کے تمام اہم عسکری شعبوں کو ایک نا قابل چیلنج بنا دیا تھا۔ امریکہ اور اس کے مغربی ممالک بخوبی جانتے ہیں کہ پاکستان نے ہماری تائید و اعانت کے ساتھ نیوکلیئر اور فوجی کامیابی سرانجام دینا ہیں۔ نتیجتاً جنوبی ایشیاء اور وسطی ایشیاء میں ہماری ذاتی پسند و ناپسند کو ایک طویل خطرہ لاحق ہے جبکہ اب تک جو صورتحال واضح ہو رہی ہے اس کے ادراک میں صاف ظاہر ہے کہ امریکہ بھارت کے ساتھ مل کر ہماری فوج اور نیوکلیئر قوت کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ کالم کی پہلی سطر میں بہ نفس نفیس ذکر کر چکا ہوں کہ امریکہ نے ایران عراق اور یوگوسلاویہ کی قوتوں کو ناکارہ کیا ہے۔ میری رائے کو پرکھا جائے کہ پاکستان کے بعد دنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت انڈونیشیا کے گرد ریشہ دوانیوں کا دائرہ بنایا جا رہا ہے۔ اس مرتبہ امریکہ کی رجعت اور جارحیت پسند سازشوں میں اس کے سب سے بڑے حلیف اور حاشیہ بردار برطانیہ ماضی سے بغاوت کرتے ہوئے ایک نئے ورلڈ آرڈر کا نقشہ کے ساتھ پیش ہو گئے کیونکہ امریکہ اور اس کے حلیف برطانیہ کی زاویہ نگاہ سے مظلوم اگر ظلم کے خلاف ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو جائے یا محکوم اقوام اپنی آزادی کے لئے سیاسی جدوجہد کی راہیں مسدود ہونے کی صورت میں ظالم حکمرانوں کے مراکز قوت پر ضرب لگائیں تو اسے دہشت گردی کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اس کی سب سے قریبی مثال مشرقی تیمور ہے جہاں بیس سالہ عسکری جدوجہد کے بعد اقوام متحدہ کے زیر اہتمام استصواب ہوا ہے لیکن بات اصول کی ہے اور جس حق کے تحت اقوام متحدہ کے 130 ممالک آزاد ہوئے ہیں اسے محض اس لئے دہشت گردی قرار نہیں دیا جا سکتا کہ کشمیر کو سوئے چیچنیا اور منڈاومیا میں اس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچے گا۔ اس نظام کو چوتھا ستون نئی سیاسی حصار بندی ہے جسے بہت ہوشیاری کے ساتھ انجام دیا جا رہا ہے اس میں نیٹو کی توسیع مشرق میں اسرائیل از سر نو عسکری بالادستی کے قیام

کے بعد اس کے معاشی غلبے کے لئے طبع کاری 11 ستمبر کے بعد وسط ایشیاء میں ایک بار پھر روس اور مغرب سے منسلک ریاستوں کے مسلمان ریاستوں پر اثر انداز ہونے کے نظام کے درو بست بھارت کو ایک ایشیائی قوت کے طور آگے لانے کی کوششیں اس حصار بندی کا اصل ہدف چین اور عالم اسلام اور خصوصیت سے عالم اسلام کے وہ ممالک ہیں جو کچھ بھی آزادروی اختیار کر سکتے ہیں اور جن میں اسلامی تحریکات ایک غالب قوت بن سکتی ہیں ۔ ترکی کو یورپی یونین میں تنہا کرنے اور ترک کرد کشمکش کے ذریعے مستقل طور پر جنگ وجدل میں مصروف رکھنے کا پروگرام ہے ۔

یہاں پر قابل توجہ تجزیہ حافظے میں اتر آیا ہے جس میں موصوف نے امریکی کولیشن میں شامل اسلامی ملک ترکی کے بارے میں کہا ہے کہ ترکی جس نے امریکہ کے اگلے ہدف عراق کی مخالفت کی ہے اسے یورپین یونین کے امیدوار کا درجہ تک دینے سے انکار کر دیا گیا ہے ۔ ترکی کی مخالفت قابل احترام ہے کہ عراق اور ترکی کی مابین سالانہ دو بلین ڈالر کی تجارت ہوتی ہے ۔ ترکی عراق سے تیل کے بدلے اپنی منڈیوں کی اشیاء برآمد کرتا ہے یقیناً ترکی کی موجودہ انداز لحہ فکر یہ میں تبدیلی واقعہ ہوئی ہے کہ ترکی اپنی روایتی سیاست سے ہٹ کر دور حاضر کے نئے تقاضوں کو سفارتی سیاست میں متعارف کروانے کی کوشش میں یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ وہ خطے میں تن تنہا مشرق وسطی کے مسلم ممالک سے کوئی خلیج پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ بہتر تعلقات کا فروز امنگ ہے ۔ ترکی کے بعد جن دس ملکوں نے رکنیت کی امیدواری کے لئے درخواست دی تھی ان میں سے اکثر کی درخواست قبول کر لی گئی اور اس طرح یہ ادارہ ایک کرسچن کا تب کا روپ قائم رکھے ہوئے ہے ۔ ترکی نے افغانستان میں امریکی جنگ میں اہم کردار ادا کیا ۔ افغانستان کے بعد ایران کو دبانے کا بھی ہدف ہے اگرچہ ایران امریکی کولیشن میں شامل نہیں تھا لیکن ایران نے امریکہ کی خفیہ امداد میں اہم کردار ادا کیا تھا ۔ پاکستان پر معاشی دباؤ کے ساتھ ساتھ اسے بھارت کی طرف سے عسکری خطرات سے بھی دوچار کرنا ہے ۔ موجودہ پس منظر میں اس بات کو اچھی طرح محسوس کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان امریکہ کا فطری حلیف نہیں رہا اور بھارت اس کا فطری حلیف اور اسٹریٹجک پارٹنر بن گیا ہے خواہ بھارت میں حکومت اس پارٹی کے ہاتھوں میں ہو جو ہندوستان پرستی کی پرچار کرتی ہو ۔ سیکولرازم کے مقابلے میں ہندوستان کی مبلغ مسلمانوں عیسائیوں اور تمام اقلیتی گروہوں کے خون کی دشمن اور ان ذہنی قتل پر کاربند ہو ۔ نیا نقشہ نئی دوستیاں اور پرانے تعلقات پر نظر ثانی کا متقاضی ہے ۔ آج کل جو پاک ہند سیاست میں خلفشار چل رہا ہے جس میں بھارت وامریکی مسلح نظریے کا لیبل ہے کہ امریکہ واجپائی کی گورنمنٹ کو داخلی سطح پر مستحکم رکھنا چاہتا ہے جو داخلی خلفشار کی وجہ سے کمزور دکھائی دیتی ہے ۔ ہمیں امریکہ کی نئی ترجیحات اور نئی راہوں کو سمجھنے اور ان کی روشنی میں اپنے مقاصد اور مفادات کے تحفظ کے لئے کاربندی کی فکر کرنی چاہیے ۔ بھارت کے لئے امریکہ مختلف حکومتوں میں خصوصیت سے ڈیموکریٹ صدر اور پارٹی لیڈر شپ میں ایک نرم گوشہ تو شروع ہی سے رہا ہے اور اس کے جغرافیائی محل وقوع، رقبے، آبادی، معاشی وسائل، مارکیٹ کی وسعت اور سیاسی اثر ورسوخ کی وجہ سے اسے غیر فطری نہیں کہا جا سکتا ۔ ایک اور اہم عنصر امریکہ میں بھارتی تاجروں صنعت کاروں

اور خصوصیت سے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اداروں کا کردار ہے۔

امریکہ میں بھارتی نژادلوگوں کی تعداد میں گزشتہ بیس سال میں چار لاکھ کا اضافہ ہوا ہے جو 1980ء کی تعداد پر 96 فیصد اضافہ ہے انڈین سوفٹ نے امریکی مارکیٹ میں اپنا مقام بنایا اور صرف یہ تجارت 91ء میں 45 ملین سے بڑھ کر 99 میں 5 بلین ڈالر تک پہنچ گئی ہے اس وقت امریکہ کی سلیکون ویلی میں ایک لاکھ 25 ہزار بھارتی سوفٹ ویئر انجینئر کام کررہے ہیں۔ اس دائرے میں بھارت کی کل برآمدات کا تقریباً 22 فیصد ہے اس طرح بھارت کی کل درآمدات کا تقریباً نو فیصد امریکہ سے آرہا ہے۔ امریکہ سے بھارت کا توازن تجارت بھارت کے حق میں ہے تقریباً چھ بلین ڈالر سالانہ فاضل ہے اس لئے امریکہ کی مصنوعات کے لئے بھارت کی منڈیوں کی اہمیت بڑھ گئی ہے اب جبکہ امریکی وائٹ ہاؤس میں جارج ڈبلیو بش جلوہ افروز ہوئے ہیں ان کی انتہاپسندی کے نظریات میں بھارت فرنٹ لائن کولیشن اتحادی بن گیا ہے۔ بھارت کی علاقائی سیٹ؟؟؟ میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ امریکہ کی نقل پر جنوبی ایشیاء کی علاقائی صورتحال بگاڑنے کے لئے بددیانتی پر مبنی شرانگیز کاروائیوں میں ملوث ہیں۔ امریکہ نے بھارت کو جب سے معیشت سنوارنے کے لئے فری ہینڈ دیا ہے تو بھارتی حکمرانوں نے جغرافیائی محل وقوع پر اپنا سکہ جمانے کی کوششیں شروع کردی ہیں۔ امریکی اقتصادی کمک ہی سے اپنے داخلی خلفشار سے نظرپوشی کرکے جنوبی ایشیاء میں بالادستی کو دائمی بنانا اور ہر چیلنج کا راستہ روکنا چاہتا ہے۔ امریکہ بھارت کی علاقائی برتری کا محافظ ہے یہی وہ عوامل ہیں کہ امریکہ سے بھارت کا توازن تجارت بھارت کے حق میں ہے تقریباً چھ بلین ڈالر سالانہ فاضل اس لئے امریکہ کی مصنوعات کے لئے بھارت کی منڈیوں کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ بھارت میں امریکی سرمایہ کاری میں بھی نمایاں سرمایہ کاری میں امریکی کا حصہ تقریباً ایک چوتھائی ہے اور تقریباً ساڑھے چار سو امریکی کارپوریشن بھارت میں مصروف سرمایہ کار ہیں۔ پاکستان سے تقابلی صورتحال کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بھارت کی امریکی سالانہ برآمدات دس بلین ڈالر پاکستان کی کل برآمدات ساڑھے آٹھ بلین ڈالر پاکستان کی کل برآمدات ساڑھے آٹھ بلین ڈالر سے زیادہ ہیں اور بھارت میں کی جانے والی صرف امریکی سرمایہ کاری (456 بلین روپے بھارتی) پاکستان کے کل سالانہ بجٹ سے زیادہ ہے۔ بھارت نے صرف وزارت خارجہ اور واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے سفارت خانوں پر تکیہ نہیں کیا بلکہ بھارت نواز تنظیموں کا جال بچھادیا ہے۔ سوا سو سے زیادہ امریکی ارکان کانگریس بھارتی لابی کا حصہ ہیں اور امریکہ میں بھارت نژاد ووٹر اپنے پیسے اور سیاسی اثر ورسوخ کو بڑے موثر انداز میں استعمال کررہے ہیں۔ ان کا کردار اہم ہے کہ ایک مشہور بھارتی ماہر معاشیات (پروفیسر جگ دیش بھگوتی) جو کولمبیا یونیورسٹی میں پروفیسر کہتا ہے۔

"ہمارا رسوخ جس حقیقت کی بنیاد پر ہے وہ یہ ہے کہ بھارتی کمیونٹی میرے کہنے کے مطابق امریکہ کے اگلے یہودی ہیں۔ بہت زیادہ کامیاب عملی طور پر بلند معاشی طور پر نمایاں ان افراد کو وہ تمام فوائد حاصل ہیں جو میرٹ پر مبنی انفارمیشن کا رجحان رکھنے والا معاشرہ جیسا کہ امریکہ ہی دے سکتا ہے' ہمارا اثر ورسوخ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ہمارے

نمایاں دانشور آرٹسٹ سائنسدان پالیسی میکر اور تحقیق کا بارسوخ امریکیوں کے ساتھ آزادانہ میل جول رکھتے ہیں۔میڈیا میں ہمارے مضامین بھی اس رسوخ کے وجہ سے ایک ایسے سیاسی نظام میں جو نقد عطیات پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے ہمارا سیاسی اثر و رسوخ اس لئے بھی برابر بڑھ رہا ہے کہ ہمارے تاجر خصوصاً انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ان نئے ارب پتیوں میں سے ہیں جن کو کانٹن الگور اور جارج بش محض لالچ کی وجہ سے نہایت احترام سے دیکھتے ہیں۔امریکہ کے صدارتی انتخابات میں جو دائمی خلفشار پیدا ہوا تھا اس کے جمہوری نظام کی تشہیر کا افسانہ اور ایوان اقتدار کی کشمکش کا ڈرامہ اقوام میں بے نظیر ہوا۔ جارج ڈبلیو بش اور الگور کے حمایتی قدامت پسند سیاسی حلقوں اور گروپوں کا فتح یابی میں رخنہ اندازی تھا جبکہ الگور انتخابی جدوجہد میں یہودی ساختہ مہم جو سپیشل چلائی گئی تھی یقیناً یہ سب آنے والے مفادات کی پیروی اور امریکی نظام حکومت میں یہودی سیاسی فضا کو کم بیش معاون کرنے کی حتمی کوشش کہا جاسکتا ہے۔صدارتی انتخابات میں یہودی لابی کی سرتوڑ کوشش تھی کہ ایوان اقتدار میں اپنی پوزیشن کو مستحکم کرسکے جو دائمی کسی بڑی تبدیلی میں معاون ثابت ہوسکیں۔دوسری طرف عوامی حلقوں میں یہودی قدامت پسند سیاسی حلقے کے خلاف مذہبی سرگرمیاں یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہی تھی کہ امریکہ کے کرسچین نظام حکومت میں کسی یہودی قدامت پسند شخصیت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے دراصل امریکہ میں یہودی انتہا پسند مذہبی رجحانات کو دبے لفظوں کی نگاہ و شک وشبہات کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن یہ عوام کرسچین برادری تک محدود ہیں جہاں تک امریکی سیاسی ردعمل کا تعلق ہے تو امریکی اور یہودی کولیشن کو کلیدی حیثیت حاصل ہے ان کا باہمی اتفاق حقیقت میں ایک عنصر موجود ہے کہ دنیا کی معیشت پر یہودی کا ہی غلبہ چلا رہا ہے اس کے کوئی متبادل قیادت موجود نہیں حتیٰ کہ نئے عالمی نظام خاکہ میں اسرائیلی نظام وجود اور خودمختاری کو ترجیحی بنیادوں پر رکھا جاتا ہے۔ ہیوسٹن ٹیکساس میں انتخابی نتائج کسی امیدوار کی حتمی کامیابی ثابت نہیں کرتے تھے۔امریکی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک گھمبیر تنازعہ کھڑا ہوگیا تھا۔دو تین مرتبہ ووٹوں کی گنتی کو کورٹ میں چیلنج کیا گیا۔مشینی گنتی بش کی کامیابی ظاہر کرتی تھی جبکہ ہاتھ سے جو نتائج سامنے آتے تھے وہ ایک مشکوک صورتحال اندیشہ ظاہر کرتے تھے۔بالآخر الگور نے اپنے جمہوری ڈرامے کو بچانے کی خاطر اپنی انتخابی شکست کو تسلیم کرلیا تھا۔نتیجتاً بش کی کامیابی کو حتمی تسلیم کرلیا گیا تھا اب جبکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ انتخابی خلفشار کو قومی سطح پر سلجھانے کی خاطر ووٹوں کی گنتی ہاتھ سے کی گئی جو حتمی نتائج سامنے آئے ہیں اس میں الگور کی کامیابی قرار دی گئی ہے تاہم اس سے قبل الگور اپنی شکست تسلیم کرچکے تھے لیکن امریکی انتخابات کے سارے فریم ورک میں یہودیوں کو اپنی کامیابی پر پورا انحصار تھا اب جبکہ ان کے اندر ایک خلفشار دکھائی جاتی ہے کہ یہودی عوامل کو موسوم کیا جاسکتا ہے۔امریکہ کے اندر یہودی لابی بش کو ایوان وہاؤس میں دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے گیارہ ستمبر کے واقعہ سے امریکہ کی معیشت بری طرح زوال پذیر ہوچکی ہے۔امریکی عوامی حلقوں میں اس کے گہرے مضمرات ایک بدنظمی کی کیفیت پیدا کررہے ہیں باور رہے کہ سابقہ صدر بش عراق کی جنگ کے بعد الیکشن ہار گئے تھے اب جبکہ اس دفعہ بھی جارج ڈبلیو بش از خود وضع کردہ پالیسیوں کی وجہ سے انتخابات میں بری طرح شکست کھا

جائے گا۔ یقیناً بش کی ناکامی یہودیوں کے لئے شرمندہ تعبیر ثابت ہوگئی جبکہ گیارہ ستمبر کے بعد اب تک ادراک کی تشہیر میں جو صورتحال سامنے آئی ہے جس میں واضح ہوگیا ہے کہ اقوام عالم میں مسلمانوں کے خلاف جو خود غرضانہ حرکات کا یکطرفہ بازار گرم رہا ہے اس کی شدت میں حسب معمول کمی واقعہ ہورہی ہے۔ بالخصوص امریکہ کے اندر عوام سوچنے پر مجبور ہورہے ہیں کہ بالآخر امریکہ ہی کو کیوں دہشت گردی کا ہدف بنایا جارہا ہے۔ امریکہ اور یورپی اقوام کے عوامی حلقوں میں اس بات کا ابھار بڑھتا جارہا ہے کہ ہمیں عدل و انصاف کے تقاضوں کو ہر ممکنہ طور پر حل کرنا ہوگا۔ غریب اقوام کے جائز حقوق کی پاسداری کا خیال رکھنا ہوگا ان کی خودمختاری کو یقینی بنانا ہوگا ان کی آزادی اور سلامتی پر اپنی مرضی کے پالیسی کو مسلط کرنے سے پرہیز کرنا ہوگا۔ امریکہ کے سیاسی حلقوں میں بھی یہ بحث مباحثہ زیر زبان ہے کہ ہماری غیر مساویانہ ناانصافیاں ہی ہیں کہ ہم براہ راست دہشت گردی کا نشانہ بن رہے ہیں۔

بھارت نے اپنا ہوم ورک بڑی ہوشیاری مہارت اور چابک دستی سے تیار کیا ہے جسونت سنگھ اور امریکی تھنک ٹینک کے درمیان ملاقاتوں نے امریکہ کی پالیسی سازوں کی سوچ کو متاثر کیا ہے اس کا نتیجہ دستاویز بصیرت کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے اس کے ذریعے بھارت اور امریکہ ویسے ہی ایک رشتہ میں جڑ گئے ہیں جیسا بھارت نے مشرقی پاکستان پر یورش سے پہلے روس سے 1970 میں فوجی معاہدہ کیا تھا۔ کلنٹن کے دورے سے پہلے سیکرٹری خارجہ میڈیلین البرائٹ نے ایک اہم بیان دیا تھا کہ جس میں کہا گیا تھا کہ ہم بھارت سے ماضی کے پچاس سالوں میں عدم توجہ کے لئے معذرت کرتے ہیں امریکہ کے چوٹی کے اکیس دانشوروں نے ایک ٹاسک فورس کی طرف سے جس کی سربراہی مشہور بروکنگز انسٹی ٹیوشن کے نائب صدر اس کے فارن پالیسی سٹڈیز کے ڈائریکٹر رچرڈ ہاس نے کی۔ ایک رپورٹ تیار کی جس میں کلنٹن کو مشورہ دیا گیا تھا۔ کہ سرد جنگ کے بعد دنیا میں بھارت کے کردار کو مرکزی اہمیت دی جائے اور پاک بھارت تنازعہ اور نیوکلیئر معاملات کو نئے تعلق کی راہ میں حائل نہ ہونے دیا جائے اسی ٹاسک فورس نے یہ تجویز بھی دی تھی کہ پاکستانی عوام سے ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے براہ راست خطاب کیا جائے۔

صدر کلنٹن کے وفد میں ایک بڑی تعداد امریکی تاجروں، صنعت کاروں، سرمایہ کاروں اور بھارتی نژاد امریکی باشندوں کی تھی۔ اس نئی حصار بندی میں بھارت اور امریکہ کو ایک نئی مخالفت میں باندھنا اور تعاون اور فیصلہ سازی کے لئے تعاون اور مکالمے کا ایک نظام بنانا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ پاکستان اور ان ایشوز کو پس پشت ڈالا جائے جو پاکستان کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ جس کے بارے میں صدر کلنٹن نے اپنے پہلے جنرل اسمبلی کے خطاب میں تشویش کا اظہار کیا تھا اپنی صدارت کے ختم ہونے سے پہلے کشمیر کے مسئلہ کا حل تلاش کرلوں گا' اس دورے میں اور اس کے بعد ایک ضمنی اور صرف دوطرفہ معاملہ رہ گیا ہے اصل مرکزی مسئلہ مشکل پسندی بن گیا اور وہ بھی پاکستان کے ,راندازیوں کی پیداوار کی حیثیت سے چشم زدن میں صدر کلنٹن اور ان کی ٹیم کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو بھی بھول گئے جن کا ذکر خود ان کی تقریروں، خطوط اور اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور ہیومن رائٹس واچ کی رپورٹوں میں کیا

جاتا رہے اب جبکہ گیارہ ستمبر کے بعد جارج ڈبلیو بش کلنٹن کے نقش قدم پر دائمی معاون بننے کی یقین دہانیوں کی پیش قدمی کررہے ہیں بھارت کے جارحیت پسند رویہ میں صاف ظاہر ہے کہ امریکہ اس کی پشت پناہی کررہا ہے۔ کشمیر میں جنگ بندی کے وقت بھارت کی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی جسے مزید کم کرنے کی بات کی گئی تھی لیکن آج یہ تعداد سات لاکھ سے زیادہ ہے جو بھارت کی بری فوج کے نصف کے برابر ہے۔ گزشتہ دس برسوں میں ستر ہزار کشمیر جوان، بوڑھے اور بچے شہید کئے جاچکے ہیں لیکن اس ریاستی دہشت گردی کے بارے میں بھی اس دوسرے دور کے بیانات میں نظر نہیں آتی۔ دستاویز بصارت سے لے کر صدر بش اور ان کے رفقاء کی تقریر کا تجزیہ کیجئے صاف نظر آتا ہے کہ ڈپلومیسی کی زبان میں وہ لگ بھگ وہی بات کہہ رہے ہیں جو بھارت کہہ رہا ہے، یا ان سے کہلوانا چاہتا ہے۔ بھارت میں اقلیتوں پر جو ظلم و ستم جاری ہے اس کا کوئی احساس موجود نہیں۔ بھارت میں اس وقت آزادی کی سترہ تحریکیں چل رہی ہیں یہی خدوخال اور عوامل ہوسکتے ہیں کہ ان تحریکوں کے عقائد میں دونوں ملکوں کے درمیان تنازعہ کا ابھار اور اس کا دائرہ مفہوم میں جنگی حکمت عملی درج ہو کہ اس کا پس پردہ اپنے مقاصد کی متقاضی ہوسکتی ہے یقیناً ان قیاس آرائیوں میں بھی صداقت کے چشمے پھوٹ سکتے ہیں کہ امریکہ گیارہ ستمبر کے بعد جنوبی ایشیاء کی جغرافیائی علاقائی اہمیت میں اپنے مفادات کا دائرہ مزید وسیع کرنا چاہتا ہو۔ نتیجتاً بے خودی میں اپنے توازن کو برقرار و از سر نو مضبوط رکھنے کی خاطر دونوں ملکوں کے درمیان جنگی تنازعہ کا متقاضی بھی ہوسکتا ہے۔ صدر بش دبے لفظوں میں بڑی چابک دستی کے ساتھ خود نیوکلئیر پالیسی میں تبدیلی کا بیج رکھ چکے ہیں۔ جبکہ روس کے ساتھ 1971ء میں ہونے والے میزائلوں کے عدم پھیلاؤ معاہدے سے انحراف کرچکے ہیں جس سے دنیا میں ہتھیاروں کی دوڑ سے اعتدال پسندی کو شدید خطرہ لاحق ہوگیا ہے یہی وجہ ہے کہ بھارت نیوکلئیر اسلحہ سے دنیا کو پاک کرنے کے موقف سے ہٹ کر صرف عدم پھیلائی کی طرف آگیا ہے جبکہ امریکہ نے بھارت کے سیکورٹی خدشات کو بالواسطہ تسلیم کرلیا ہے اور اسے علاقے ہی میں نہیں عالمی سطح پر قیادت کی آشیرباد دے دی ہے۔ دستاویز بصیرت میں یہ بصیرت افروز اعلان موجود ہے کہ: آئندہ صدی میں بھارت اور امریکہ علاقائی اور بین الاقوامی سلامتی یقینی بنانے کے لئے باہم ذمہ داری اور مشترک مفاد کی خاطر امن کے لئے ساتھی ہوں گے۔ ہم ایشیا اور اس سے ماورا اسٹریٹجک استحکام کے لئے مل جل کر کام کریں گے اور باقاعدہ مشاورت جاری رکھیں گے۔ ہم علاقائی امن کو درپیش چیلنج اور دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لئے مشترک کوششوں میں اضافہ کریں گے۔ اس خطے میں حالات جس تیزی سے تبدیل ہورہے ہیں اس کے پس پردہ طرح طرح کے اور منصوبے بھی حیران کن حد تک منظر پر آرہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ یورپ اور مشرق وسطی میں اپنے مفادات کے تحفظ کے بعد اقتصادی اور فوجی ترقی سے اتنا مخالف ہے کہ اب وہ اپنی تمام تر گلوبل حکمت عملی جنوبی ایشیا اور وسطی ایشیاء کے علاقوں پر مرکوز کرنا چاہتا ہے مشرقی وسطی میں امریکہ اور عراق کے درمیان جو جنگ لڑی گئی تھی امریکہ نے اس کے جنگی اخراجات عرب مسلمان ملکوں سے وصول کرلئے اب یہ سوال اپنی جگہ پر قائم ہے کہ افغانستان پر حملے کے دوران بلین ڈالر خرچ ہورہے ہیں کیا امریکہ یہ

اخراجات کہاں سے حاصل کرے گا؟ یقیناً انہی سوالوں کی خاطر وہ اب سٹرٹیجک اور اقتصادی اہمیت کے حامل مختلف خطوں میں اپنا اثر ورسوخ تیزی کے ساتھ بڑھانا چاہتا ہے۔ان مقاصد کا حاصل یہ ہے کہ واشنگٹن کے طے شدہ اہداف حاصل کرنے کے لئے باقی ماندہ دنیا کا ساتھ دے ورنہ اشارہ دیا جارہا ہے کہ ایسا نہ کرنے والے امریکی طاقت کے بھیانک نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہوجائیں لیکن تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سانحہ کربلا کے بعد ایسا کڑے اوقات مسلمانوں پر بہت دفعہ آئے لاکھوں کی تعداد مسلمان مارے جاتے رہے ہیں بہیمانہ قتل نے ہمیشہ مضبوط اور شفاف دین اسلام کو جنم دیا۔انہی قاتلوں اور سفاک فرمانرداؤں کی اولادیں دین اسلام کی علمبردار بن گئیں، ہم طالبان کے خلاف امریکہ کا ساتھ دینے کے ثمرات حاصل کرچکے ہیں اب مسئلہ کشمیر کا حل پاکستان اور اہل کشمیر کی توقعات کے مطابق رونما ہونے پر جلدی میں یقین کرنا بڑا مشکل ہے ہم بار بار کی خوش فہمیوں کے باعث ایک سوراخ سے بار بار ڈسے گئے اب امریکہ کشمیر کے حل کے لئے کیا منصوبے بنائے گا؟ کیا کیمپ ڈیوڈ کی شکل کا کوئی منصوبہ ہوگا کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کا برسوں بعد کیا حشر ہوا جناب یاسر عرفات سے پوچھئے یا اوسلو معاہدے کی طرح کا لالی پاپ پاکستان کو پیش کیا جائے گا اس امید پر بھوکا بچہ جو نان شبینہ کا محتاج ہے اس کو کیسے رد کردے گا کہ ہر پاکستان قیادت کے امریکہ کے ساتھ ہنی مون کا بالاخر ایسی ہی نتیجہ نکلا ہے کہ امریکیوں کی تسلیوں پر ایک خیالی سپنوں کی دنیا پر قائم ہیں کہ نہیں ہے کہ جنوبی ایشیاء کے خطے میں ایک مسلم ملک کی ایٹمی طاقت کی اوپن آپشن فری ہینڈ دیں کہ وہ علاقے میں خودمختار آزاد اصولوں پر مبنی پالیسی کو متعارف کریں۔

سلسلہ مطبوعات موتمر المصنفین (29)

اقتدار کے ایوانوں میں

شریعت بل کا معرکہ

......از

مولانا سمیع الحقؒ

ملک کی تاریخ میں نفاذ شریعت کی جدوجہد کا روشن باب' ایوان بالا سینیٹ اور قومی سیاست میں نظام اسلام کی جنگ' آغاز' رفتارِ کار' صبر آزما مراحل کی لحہ بہ لحہ روئیداد اور مستقبل کے لائحہ عمل کے علاوہ خارجہ پالیسی' عورت کی حکمرانی' جہاد افغانستان اور اہم قومی وملی اور بین الاقوامی مسائل پر فکر انگیز گفتگو اور سیر حاصل تبصرے۔

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان